تطبیق مذہب و سائنس

امریکہ کے عالم متبحر و نامور مصنف آرلینڈ وجی سمتھ کی مشہور عالم تصنیف

اگریمنٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائنس

کا

سلیس و علمی اردو ترجمہ

معہ

متعدد ضروری حواشی مدلل بہ استدلال از قرآن مجید

No 991

مرسلہ

منشی محمد عبداللہ منہاس

مطبوعہ خادم التعلیم [illegible] سٹیم پریس لاہور

(قیمت مجلد ۳/۰ مع محصول ڈاک)

دیباچہ تطبیقِ مذہب و سائنس

اس میں کس کو کلام ہے ۔ کہ اپنی سرپرست گورنمنٹوں سے خواہ وہ لوکل (مقامی) ہوں ۔ سٹیٹ (ریاستی) یا نیشنل (قومی) اور اُن کے آئین و قوانین سے ۔ اور ان فوائد سے جو ہمیں اُن سے حاصل ہیں ۔ (مثلاً محافظت وغیرہ) اور اُن فرائض سے ۔ جو وہ ہم سے پورے کراتی ہیں ۔ ہمیں بیحد دلچسپی ہے ۔

لیکن اس سے بڑھکر ہمیں وسیع مملکتِ عالم سے دلچسپی ہے جس کے ماتحت ہم بلا ارادہ رہتے ہیں ۔ اگر ہم اُس جگہ کو پسند نہیں کرتے جس میں ہماری بود و باش ہے ۔ تو ہم نقل مکان کر کے کسی دوسری جگہ رہائش اختیار کر سکتے ہیں ۔ اور ایسا کرنے سے پہلے ہم بڑی آسانی سے اُس دوسری جگہ کی نسبت کامل آگاہی حاصل کر سکتے ہیں ۔ ہم مشرق ، مغرب شمال یا جنوب ۔ کینیڈا یا یوروپ ۔ یا دنیا کی طرف مقابل ۔ غرض

فہرست مطالب

2406

عظیم الشان فاتح نہیں ہے۔ جو قدرت کے کسی ایک قانون میں ذرہ برابر بھی تبدیلی پیدا کر سکے۔

ہم سلسلۂ نظام عالم کو سمجھنے کے دل سے خواہشمند ہیں۔ ہم جاننا چاہتے ہیں۔ کہ قدرت کی کارروائیاں منصفانہ ہیں۔ یا غیر منصفانہ[1]۔ ہمارے تعلقات اس سے کس قسم کے ہیں۔ اور ہمارے پاس اس جبّار پُر اسرار۔ اور غیر متبدّل طاقت سے جو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اُمید و بیم رکھنے کی کیا دلیل ہے۔

ادنےٰ سے لیکر اعلےٰ تک تمام مذاہب کا مقصدِ اوّلین یہی ہے۔ کہ نظم کائنات کے مسئلہ کو حل کریں۔ سائنس کا مقصدِ اعلےٰ بھی اسی مسئلہ کو حل کرنا ہے۔ مذہب فردِ واحد کے روحانی تعلّقات کو اس عظیم عالمگیر حکومت کے ساتھ پیوستہ کر کے دکھلاتا ہے۔ سائنس محسوسات و بدیہات کے ذریعہ سے اپنی آواز کو بالاتر ہستی کے ساتھ ملاتا ہے۔ اب یہ میرا فرض ہے۔ کہ مذہب اور سائنس دونوں کی تحقیقات کے نتائج اس اہم مقصد کے بارہ میں دریافت کروں۔ اور دیکھوں۔ کہ آیا ان دونوں میں کوئی مطابقت پائی جاتی ہے یا نہیں۔

---

[1] وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (ترجمہ) اور (اللہ تعالیٰ) انصاف کے ساتھ (کارخانہ عالم کو) سنبھالے ہوئے ہے ۱۲ المترجم۔

جہاں چاہیں۔ جانے کا اختیار رکھتے ہیں۔ لیکن مملکتِ عالم سے باہر قدم رکھنے کا استحقاق نہیں رکھتے۔ بھلا[1] خدا کی خدائی کی غیر محدود حدود سے نکل کر ہم کہاں جاسکتے ہیں یہاں تک کہ نیست و نابود ہو جانے کی حالت میں بھی ہم کہیں اور نہیں جاسکتے۔ ہمارے آباؤ اجداد جہاں تک کہ تاریخ ہماری رہبری کرتی۔ یا خیال ہمیں اڑا کر لے جاسکتا ہے۔ اسی مملکت کی رعایا تھے۔ اور اُن پر بعینہٖ انہی قوانینِ قدرت کی حکومت تھی جنکے ماتحت ہم ہیں۔ اور جن کے ماتحت ہماری آئندہ نسلیں ہونگی۔ اور یقیناً یہی قوانین نہایت دور اُفتادہ سیارگان کی زندگی کو اپنے زیرِ اقتدار رکھتے ہیں ہم انسان کے بنائے ہوئے قوانین اور آئینِ حکومت کو بدل سکتے ہیں۔ ہم اعتراض یا ترمیم و تنسیخ کے استحقاق کو عمل میں لاسکتے ہیں۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ انسانی مطالبات و دعاوی کے سامنے مغرور سلطنتوں نے سرِ تسلیم خم کیا ہے۔ اور مسلّم قوانین ایسے محو ہوئے ہیں۔ کہ اُن کا نشان تک نہیں رہا۔ لیکن ہم نظامِ عالم میں ردّ و بدل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے بسا اوقات ہم اپنا کمزور بازو دکھ۔ درد۔ محرومیِ قسمت۔ یا کم نصیبی کے خلاف اُٹھاتے ہیں۔ لیکن ہماری محدود طاقت۔ لامحدود طاقت پر کیا اثر ڈال سکتی ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا جرّار لشکر نہیں ہے۔ ہم میں کوئی ایسا

---

[1] چنانچہ خدائے تعالےٰ جن و انسان کو قرآن مجید میں مخاطب کرکے کہتا ہے۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا۔ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (ترجمہ) اے گروہ جن و انسان اگر تم سے ہو سکے۔ کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے (ہو کر کہیں کو) نکل بھاگو تو نکل دیکھو۔ مگر کچھ ایسا ہی زور ہو۔ تو نکلو (اور وہ تم میں نہ ہے۔ اور نہ ہو۔) المترجم

ہیں۔ کوئی قانون ایک دوسرے کے متناقض ومخالف نہیں ہے۔

قوانینِ قدرت کے غیر مُبدّل ہونے کا اصُول کسی دلیل یا ثبوت کا محتاج نہیں۔ اور اسمیں وہ وقعت و جلال پایا جاتا ہے۔ جو ایک حکیم و منصف ہستی کے شایانِ شان ہے۔ اور یہ بیان کہ قوانینِ قدرت ایک دوسرے سے توافق و ربط رکھتے ہیں۔ اگرچہ کسی قدر تفصیل کا محتاج ہے۔ لیکن موثر و دلنشین ہے۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ قدرت کے اس ربط وتناسب کے دلائل کیا ہیں۔ اور اس عظیم القدر یگانگت کی کُنجی کیا ہے۔

قدرت کا وہ ایک صراطِ مستقیم۔ عمل یا قانون کیا ہے۔ جس پر اُس کے تمام شعبوں کا اتحاد وارتباط مبنی ہے؟ یہ اصلِ اصُول کیا ہے؟۔

ماہرانِ علمِ منطق اس اصلِ اصول کو "سلسلہ غیر مبدّل" کی اصطلاح میں ظاہر کرتے ہیں۔ مسٹر مِل لکھتے ہیں:۔

"سلسلہ غیر مبدّل۔ مشاہدہ کے رُو سے قدرت کے ہر موجودہ واقعہ اور واقعہ ماقبل کے درمیان پایا جاتا ہے۔ .... واقعہ ماقبل کو ہم اصطلاح میں سبب یا علّت۔ اور اس کے نتیجہ کو معلول کہینگے"[۱]

عالمانِ منطق کے نزدیک قدرت کے توافق و ربط کی کُنجی یہی سلسلہ علّت ومعلول ہے۔ اور اس سلسلہ سے یہ مُراد ہے۔ کہ قدرت کے تمام کاموں میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ یعنی سبب نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اور نتیجہ عین اپنے سبب کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً سیب پھول کا نتیجہ ہے۔ پھول درخت سے نکلا۔ اور

[۱] از سسٹم آف لاجک صفحہ ۲۱۳۔

باب اوّل

سائنس کی بنیاد

سائنس نے خدا کی عظیم الشان مملکت کو حل کرنے میں کہانتک ترقی کی ہے؟
علم منطق کا یہ ایک نہایت اہم اصول ہے۔ کہ قدرت[1] اپنے تمام امور میں ایک ہی صراط مستقیم پر چلتی ہے۔ جان سٹوارٹ مل کا قول ہے۔ کہ "قدرت کا غیر متغیر روش پر چلنا ہی تمام نتائج استقرایہ کے لئے آخری مقدمہ کبریٰ ہے"[2] جس سے اسکا یہ مطلب ہے۔ کہ تمام استدلال اِس اصول پر دلالت کرتا ہے کہ قوانین قدرت غیر مبدّل ہیں۔ وہ جیسے ازل سے چلے آتے ہیں۔ ابد تک ویسے ہی رہیں گے۔ دو اور دو کو جمع کرنے سے چار حاصل ہونگے کشش اجسام۔ یا کشش ثقل ہمیشہ بدستور قائم رہیگی۔ ایک قسم کا سبب ایک ہی قسم کا نتیجہ پیدا کریگا۔ اور کہ تمام قوانینِ قدرت ایک دوسرے کے معاون و موافق

---

[1] مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (ترجمہ) تو خدا کی خلقت میں ناہمواری نہ دیکھیگا۔ المترجم

[2] سسٹم آف لاجک صفحہ ۲۰۲۔

وخطرات۔ امیدیں اور آرزوئیں سب کا انحصار نتائج پر ہوتا ہے۔ جب نتائج
کی نسبت ہمارے دل میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو ہم کسی سے مشاورت کرتے
ہیں۔ اور نصیحت ڈھونڈتے ہیں۔ نصائح[1] اور مثالیں نتائج کی توضیع کے لئے
ضروری ہیں۔ ہماری محنت و آرام۔ کھانا۔ پینا۔ تجویز و تدبیر۔ جمع و خرچ۔ سب
نتائج کے لئے ہیں۔ ہماری نفس پرستی۔ یا ایثار نفسی کبھی نتائج سے خالی نہیں
ہوتی۔ سیرو نے دس لاکھ انسانوں کو اپنی عارضی خوشی کے لئے جلا کر خاکستر
کر دیا۔ سینٹ سیمن سٹائلیس نے ابدی فائدہ کی خاطر اپنے آپ کو طرح طرح
کی اذیتیں پہنچائیں۔!

وہ دل نہایت روشن ہے۔ جو ہر بات کے نتیجہ کی نسبت نہائیت مکمل
وصحیح اندازہ کر سکتا ہے۔ اور وہ لوگ پرلے درجے کے بے عقل ہیں۔ جو نتائج
سے بے خبر ہیں۔ ہم جو کچھ منشیات و مسکرات۔ مقویات۔ تریاق۔ علوم
حفظان صحت۔ جراحی۔ کیمیا۔ زراعت۔ جر ثقیل اور تجارت۔ پیداوار کے
متعلق علم رکھتے ہیں۔ یہ سب تجربہ و مشاہدہ کے وسیلہ سے حاصل ہوا ہے۔
سب سے اچھا استرا۔ ہل۔ سکول۔ بہترین طریق حفظ صحت اور اعلے ترین
تدبیر ترقی تمدن واخلاق وہ ہے۔ جو بہترین نتائج پیدا کرے۔ تجارت کے
اعلے سے اعلے اقوال مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر ہیں۔ نظام تمدن و معاشرت

---

[1] وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ۔ ترجمہ۔ اور
ہم نے لوگوں کے (سمجھنے کے) لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں (قرآن
پاک پر اکثر قصے کہانیوں کی آماجگاہ ہونے کا اعتراض کیا جاتا ہے۔ لیکن کاش معترض
لوگ ان مثالوں کی علت غائی کو سمجھیں۔) المترجم۔

درخت بیج سے پیدا ہوا۔ یہ ایک ایسی صریح بات ہے۔ کہ ہم میں سے کوئی بھی اس سے ناواقف نہیں ہے۔ اور یہ ایک عام اصول ہے۔ کہ نتائج و مشاہدات ٹھیک اسباب کے مطابق ہوتے ہیں +

اب ہم اس اصول کا انسان کے معمولی کاروبار سے شروع کر کے مختلف صیغوں کے مشاہدات و تجربات میں اختصار کے ساتھ سراغ لگائینگے۔

تجربات روزمرّہ

جب ایک شخص دیا سلائی کو ڈبیہ پر رگڑتا۔ پنسل کو گھڑتا۔ پانی ابلنے کیلئے برتن چولہے پر چڑہاتا۔ یا دیوار کو مرمت کرتا ہے۔ تو اسکو نتائج مدِ نظر ہوتے ہیں میں اپنے دل سے سوال کرتا ہوں۔ "کیا مجھے اپنا کوٹ بدلنا چاہیئے"؟ قہوہ کا ایک اور پیالہ لینا ضروری ہے"؟ پیدل چلنا مناسب ہوگا۔ یا گھوڑے پر سوار ہونا"؟ ہر ایک سوال کا جواب بعینہٖ اُس تخمینہ کے مطابق ہوگا۔ جو تخمینہ کی نسبت میں نے اپنے دل میں سوچ لیا ہے۔ ہم ایک بیج زمین میں بوتے ہیں گلاب کا پودہ یا باغ لگاتے ہیں۔ تو دل میں اُمیّد رکھتے ہیں۔ کہ ہمیں اس کا پھل ملیگا۔ اسی قسم کی اُمیّد اس وقت بھی ہمارے دل میں ہوتی ہے۔ جب ہم مطالعہ کرتے۔ چھت کو مرمت یا سڑک کو تعمیر کرتے ہیں۔

افسوس کیا شئے ہے؟۔ یہ عموماً نتائج کے متعلق ہماری غفلت یا ہمارے غلط اندازہ کی یاددہانی ہے۔ جبکہ پچھتانا اور اصلاح کا خیال اس امر کی دلیل ہے کہ ہم نتائج سے باخبر ہو گئے ہیں۔ ہماری دلچسپی و حیرت۔ ہمارے تفکّرات

استدلال استقرائی کے ذریعے ہم حالات پیشین سے نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور استدلال استخراجی کے رو سے ایک عام اصول سے جو تجربی و حسی مقدمات کی بنا پر قایم ہو۔ ایک نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں جب پیشتر کے حالات یا تجربات معلوم نہ ہوں۔ تو ہم تمثیل[1] و تشبیہ سے کام لیتے ہیں۔ جو ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارے مفید مطلب اسباب کے مشابہ ہوگا۔ مثلاً باشندگان ضلاع متحدہ امریکہ ایک نوآبادی قایم کرنا چاہتے ہیں۔ جسکا انہیں پہلے تجربہ حاصل نہیں ہے۔ تو ایسا کرنے سے پہلے انہیں انگلستان۔ ہسپانیہ۔ فرانس اور دیگر ممالک کے استعماری[2] نتائج پر غور کرنا ہوگا۔

تحلیل کیمیاوی میں کل کو سمجھنے کے لئے ہم تمام اجزا کی چھان بین کرتے ہیں۔ اگر پانی میں کوئی مضر جزو شامل ہے۔ تو ہم نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ پانی خراب ہے۔ اگر پانی میں کوئی ایسا جزو شامل نہیں ہے۔ جو مضر یا ناقص ہو۔ تو ہم سمجھتے ہیں۔ کہ پانی خالص اور عمدہ ہے۔

شنوایا بینا کی مدد سے کسی چیز پر استدلال کرنے کے لئے بھی ہمیں تجربہ اور مشاہدہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ فرض کرو۔ کہ گاڑی میں میرے سامنے کے بنچ پر چند اجنبی مسافر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں تجربہ کے رو سے جانتا ہوں۔ کہ یہ سب کے سب آدمی ہیں۔ ان میں سے ایک کو میں دیکھتا ہوں۔ کہ بوڑھا آدمی

---

[1] قرآن مجید میں جابجا ہم انسانوں کے سمجھنے کے لئے خداوند کریم نے مثالیں اور تشبیہات بیان کی ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ۔ وہ تمہارے سمجھنے کے لئے تمہی میں کی ایک مثال بیان فرماتا ہے۔ اور وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ اور سب کو ہم نے (اگلے لوگوں کی) مثالیں دے دے کر سمجھا دیا تھا۔ المترجم۔

[2] نوآبادیاں قائم کرنے کی پالیسی۔ (کالونیل پالیسی) المترجم۔

کے اصول ملکیت اراضی۔ محاصل اور مال و تجارت کے مختلف امور انتظامیہ
کے عیوب و نقائص یا فضائل کو ممتاز طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ آئین جہانبانی
بتلاتے ہیں۔ کہ رعایا کے واسطے کون سا قانون بہتر اور کونسا رواج انسب
ہوگا۔ یہی حالت انسان کے تمام کاروبار روزمرہ کے تجربات و مشاہدات
میں پائی جاتی ہے۔ اور علم ہمیشہ اس لوہ میں رہتا ہے۔ کہ عمدہ نتائج پیدا
کرنے والے امور کو۔ بُرے نتائج پیدا کرنے والے امور سے جدا کرے۔[1]

تدلیل و استدلال

منطق کا دارومدار جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس اصول پر ہے
کہ نتائج اسباب کے مطابق ہوتے ہیں۔ روزمرہ کے سادہ سے سادہ نتائج اور
نہایت باریک نکات کا حصر بھی اسی اصول پر ہے۔

استدلال دو قسم کا ہے۔ اوّل لمّی یعنی وہ برہان جس میں علت سے
معلول پر دلیل لائیں۔ دوم انّی جسمیں معلول سے علت پر دلیل لائیں۔
تضیّہ منطقی منطق کی وہ شکل ہے۔ جسکی مدد سے ہم حالات و واقعات
ماقبل کو سامنے رکھکر کوئی خاص نتیجہ اخذ کریں۔ نتیجہ صریح۔ انجام۔ خاتمہ۔
ماحصل۔ تخمینہ۔ اندازہ۔ یہ تمام اسباب و علل کے نتائج کی مختلف شکلیں ہیں۔

---

[1] اور اس میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ کیونکہ علم کی موجودگی میں بھی مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ
اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى جو اس دنیا میں (دیدہ و دانستہ) اندھا (بنا) رہا۔ وہ آخرت
میں بھی اندھا ہوگا۔ اسی لئے کلام پاک میں ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ یعنی
بری بات کو دور کرے ایسی بات سے کہ اچھی ہے۔ المترجم۔

ہم اُس کی خوشنمائی خوش اسلوبی - اور عمدگی سے کرتے ہیں - ایک عقیدہ تدبیر پالیسی - رواج - فلسفہ وغیرہ کی خوبی کا اندازہ اُن کے موجودہ یا آئیندہ نتائج کے بغیر نہیں ہوسکتا -

کسی قوم کے عیوب خصائل کا اندازہ کرنے کے لئے اسکی تاریخ یا گذشتہ واقعات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے - آنے والے واقعات کا اندازہ بھی - واقعات ماقبل پر مبنی ہے - اگر ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں - کہ آئیندہ کیا ہوگا - تو پہلے ہمیں زمانہ ماضی پر نظر دوڑانی ہوگی - ہم عمدہ بیج اور مضر جراثیم دونوں کی پہچان تلاش میں رہتے ہیں - تاکہ ایک کو ترقی دیکر پھیلا سکیں - اور دوسرے کو تباہ وبرباد کرنے میں کامیاب ہوں -

فرض کرو - تمہارے پاس ایک بیج ہے - لیکن تم نہیں جانتے - کہ یہ بیج کس درخت یا پودہ کا ہے - تو اس مطلب کے لئے تم اُسے زمین میں بوکر دیکھو گے کسی جُرم کے عقدہ کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے - کہ اُس واقعہ کے حالات پیشین دریافت کیئے جائیں - نہائیت مختصر امور پر استدلال کرتے وقت بھی اسی اصول کو مدِنظر رکھنا پڑیگا - کسان ہو یا سپاہی - مُدبّر ہو یا مزدور - فلاسفر ہو یا سراغرساں سب کے سب ایک ہی اصول نتائج سے - واقعات ماقبل کا سُراغ لگانا یا حالات گذشتہ سے نتائج کا اخذ کرنا) پر عمل پیرا ہیں - سچ پوچھو - تو ہم کبھی یہ نہیں کہہ سکتے - کہ سبب کچھ اور ہے - اور نتیجہ کچھ اور - بھلا یہ بھی کبھی ہوسکتا ہے - کہ آڑو - سیب کے درخت پر پیدا ہوں - اور شاہ بلوط کے درخت کو آلو لگیں -

ہے۔ کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے اُسکے بال بھورے ہوگئے ہیں۔ اور چہرہ پر جھریاں پڑ گئی ہیں۔ ایک اور شخص کے ہاتھوں پر محنت و مشقّت کے آثار نمایاں ہیں۔ اس سے میں نتیجہ نکالتا ہوں۔ کہ یہ مزدور ہے۔ ایک دوسرا شخص عینک لگائے ہوئے ہے۔ جو اُسکے ضعفِ بصارت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح تجربہ مجھے بتلا رہا ہے۔ کہ یہ شخص شرابی ہے۔ اور وہ مصیبت زدہ ہے۔ اس ساتھ والے آدمی کی آواز بتلاتی ہے۔ کہ وہ تربیت یافتہ و مہذّب ہے۔ اور اس دوسرے کی آواز اُسکے جاہل اور غیر مہذّب ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔

اگر میں ملک کے کسی ایسے حصّہ میں جا نکلوں۔ جہاں کے حالات سے میں ناواقف ہوں۔ تو اردگرد کے مناظر مجھے لوگوں کے طرز بود و باش و معاشرت وغیرہ کا حال بخوبی بتلا دینگے۔ ایک مقام پر کھیت اور عمارتوں کی حالت ظاہر کرتی ہے۔ کہ کسان محنتی اور جفاکش ہے۔ دوسرے مقام پر ایک مختلف کیفیت نظر آئیگی۔ کسان کے گھوڑے کی حالت سے میں کسان کے چال چلن کا بخوبی اندازہ لگا لونگا۔ دیگر علامتوں سے مجھ پر ظاہر ہو جائیگا۔ کہ یہاں کفایت شعاری کام کر رہی ہے۔ وہاں غربت و افلاس اپنا سکّہ جمائے ہوئے ہیں۔ یہاں خودداری ہے۔ اور وہاں غلاظت و بدسلیقگی۔

واقعات۔ اقوال۔ خیالات۔ اصولات وغیرہ کے اسباب اور نتائج ایسے ہی بدیہی ہیں۔ جیسے کہ عام محسوسات کے۔ ایک مشین۔ گائے۔ سور کی قیمت کا اندازہ ہم اُن کے پھل یا پیداوار سے کرتے ہیں۔ ایک تصویر۔ منظر۔ کھیل۔ تماشہ۔ شعر۔ گیت۔ کتاب یا خیال کے اچھا یا برا ہونے کا اندازہ۔

بے انتہا بھلائی مقصود ہو۔ منڈیول اور ہلویٹیس کا قول ہے۔ کہ خود غرضی بہت
عمدہ چیز ہے۔ کیونکہ یہ ایک شخص کی ذات کے لئے نہایت عمدہ نتائج پیدا
کرتی ہے۔ بڑے بڑے فلاسفر متفق الزباں ہیں۔ کہ اخلاق انسانی میل جول کا
نتیجہ ہے۔ جس سے مراد یہ ہے۔ کہ انسان نے تجربہ اور مشاہدہ سے دریافت
کر لیا ہے۔ کہ سوسائیٹی کے لئے کون سی چیز فائدہ مند ہے۔ اور فرد واحد کیلئے
کون سی مفید۔ الٰہیات بتلاتے ہیں۔ کہ انسان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے
کہ وہ خدا کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرے۔ کیونکہ اطاعت اور فرمانبرداری سے
ابدی راحت اور سرکشی و غرور سے دائمی عذاب حاصل ہوتا ہے۔

علم اخلاق کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں۔ جو انسانی افعال کے نتائج و مشاہدات
پر مبنی نہ ہو۔ ہمارے پاس وہ کیا معیار ہے۔ جس سے ہم سمجھتے ہیں۔ کہ سچائی
جھوٹ سے بہتر ہے؟ کیونکہ ہم اُس وقت اپنے آپ سے بہت خوش ہوتے ہیں
جب سچ بولتے ہیں۔ بہ نسبت اُس وقت کے جب جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم جانتے
ہیں۔ کہ صداقت باہمی ربط و ضبط کے لئے نہایت ضروری ہے اور جب ہم
دوسروں کو دروغ گوئی کا غلام پاتے ہیں۔ تو ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں
جسکی یہ وجہ ہے۔ کہ کذب و دروغ۔ ابتری۔ بے یقینی۔ دشمنی اور دیگر بد نتائج
کا پیش خیمہ ہیں۔ اسی طرح ہم تجربہ کی بنا پر۔ وفاداری۔ نمکحلالی و دغابازی
رحمدلی و بے رحمی۔ دیانتداری و بد دیانتی کے اثرات سے بخوبی آگاہ ہیں۔
ہم جانتے ہیں۔ کہ فلاں افعال اچھے ہیں۔ اور فلاں بُرے ایسا ہی ہمیں
علم ہے۔ کہ غذا کے لئے روٹی ایک مفید شے ہے۔ اور گھاس مضر ہم سمجھتے

گندم از گندم بروید جَو ز جَو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

فلسفۃ الاخلاق

اخلاق کے باہمی متناقض شعبوں کی تہ میں ایک اہم مطابقت پائی جاتی ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ انسان کے افعال کو اُن کے نتائج سے اندازہ کرنا چاہیئے۔ ارسطو کی تھیوری "اعتدال"[1] بتلاتی ہے۔ کہ میانہ روی بہترین نتائج پیدا کرتی ہے۔ فرقہ سِنک[2] (کلابتیہ) کے پیرو سمجھتے ہیں۔ کہ عزلت نشینی کی سادہ زندگی بسر کرنے سے ہراس و بیم۔ اور حسرت و یاس سب دور ہو جاتے ہیں۔ ہیڈونسٹ اور ایک حد تک اپی کیورین[3] (لذیتہ) ان کاموں کو سب سے افضل قرار دیتے ہیں جن کے کرنے سے فرحت حاصل ہو۔ سٹوئک[4] (رواقیہ) کے نزدیک سب سے بڑی شجاعت و مردانگی یہ ہے۔ کہ جذبات غصہ و رنج اور خوف کو ضبط کیا جائے یوٹلی ٹیرین[5] کے نزدیک بہترین افعال وہ ہیں جن سے بے انتہا لوگوں کی

[1] خیر الامور اوسطہا (حدیث شریف) المترجم [2] اس فرقہ کی بنا یونانی فلاسفر انٹستھینس المتولد ۴۴۴ قبل مسیح نے ۴۰۰ برس قبل مسیح رکھی۔ عزلت نشینی کی زندگی بسر کرنا۔ اور دولت علوم و فنون۔ اخلاق تہذیب و تمدن سے نفرت رکھنا اسکا مقصد اولیں تھا۔ المترجم [3] اپی کیورس مشہور یونانی فلاسفر ۳۴۲ برس قبل مسیح پیدا ہوا۔ اسکا اصول تھا۔ کہ "اخلاق کے لحاظ سے صرف دو سب سے بڑی قوتیں ہیں" راحت اور رنج "راحت کے حصول اور رنج کے ترک میں ہی تکمیل فلسفہ اخلاق متصور ہے" المترجم [4] یونان کے نامور فلاسفر زینو المتولد ۳۴۰ قبل مسیح کا قائم کیا ہوا فرقہ جسکا اصول یہ ہے۔ کہ زندگی کا مقصد اعلیٰ نیکی ہے۔ اور جوش و غضب جو سب برائیوں کی جڑ ہیں ان کو دبانا چاہیئے۔ المترجم [5] اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ۔ بیشک جو تم میں سب سے زیادہ نیک ہے۔ وہ خدا کے نزدیک سب سے بڑا ہے۔ المترجم

ہر رگ و پے میں مدامی حرکت پنہاں ہے۔ یہ حرکت کہیں نمایاں ہے۔ اور
کہیں پوشیدہ۔ کسی مقام پر ایسے جلال میں ظاہر ہوتی ہے۔ کہ ہر طرف تباہی
و بربادی پھیلا دیتی ہے۔ اور کسی مقام پر اس کا اثر بالکل شفقت آمیز ہوتا ہے
زمین۔ آفتاب کے گرد اپنے مدامی دورہ میں ۱۸ میل فی سیکنڈ یا ایکہزار
اسی میل فی منٹ کے حساب سے حرکت کرتی ہے۔ یہ رفتار اسقدر تیز ہے۔
کہ انسان اگر اڑنے کے قابل ہو جائے۔ تو وہ نیویارک سے یانکرس تک
ایک سیکنڈ۔ البنی تک دس سیکنڈ۔ بفیلو تک تیس سکنڈ۔ شکاگو تک ایک
منٹ اور سان فرانسسکو تک تین منٹ کے عرصہ میں پہنچ سکتا ہے۔ یا
یوں کہیے۔ کہ اس حساب کے مطابق انسان ایک نہایت تیز رفتار اکسپرس ٹرین
سے ایک ہزار گنا۔ اور بندوق کی گولی سے پچاس گناہ زیادہ سرعت کے ساتھ
سان فرانسسکو میں پہنچ سکتا ہے۔ ہم بسا اوقات اپنے چھوٹے چھوٹے منصوبوں
ایجادات و اختراعات کے نتائج سے چونک اٹھتے ہیں۔ لیکن اس بات کا کبھی
خیال بھی نہیں آیا۔ کہ یہ عالی شان کرۂ زمین اپنی اس حیرت ناک رفتار میں
ہمیں کوئی صدمہ یا ضرر پہنچا سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ زمین کی رفتار ایسی
پوشیدہ۔ ایسی غیر محسوس ہے۔ کہ اگر عالمان ہیئت اس راز کا انکشاف نہ کرتے
تو ہمیں اسکی حرکت کا کبھی احساس نہ ہوتا۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔
کہ عالمان ہیئت تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر متفق الرائے ہیں۔ کہ اجسام[1] فلکی کی حرکات

---

[1] وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى۔ اور اسی (اللہ) نے سورج اور چاند
کو اپنا (مطیع و فرمان) کر رکھا ہے۔ کہ دونوں (اسی طرح اسکے) بندھے ہوئے وقتوں میں
پڑے چل رہے ہیں۔ المترجم۔

ہیں۔ کہ صفائی۔ غلاظت سے بدرجہا اچھی ہے۔ انسان کو آگے چلنا چاہئے نہ کہ پیچھے کو۔ اور کہ انبساط۔ رنج سے زیادہ مسرت انگیز ہے۔

جس طرح کہ مشین کی قدر و قیمت کا اندازہ اُسکے پرزوں کی سرعت رفتار سے ہوتا ہے اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے افعال کی خوبی یا عیب بھی اُن کے نتائج سے ظاہر ہوتی ہے۔

علم ہندسہ

ریاضی میں ۲+۲ جزو ہیں۔ جنکا حاصل جمع ۴ ہے۔ اسی طرح ۹-۷ جزو ہیں جنکا حاصل تفریق ۲ ہے۔ ریاضی کے سادہ سے سادہ سوال سے لیکر طبعی ریاضی یا اصول ارقام کے نہائت پیچیدہ و مشکل مسائل تک جہاں تک غور کریں۔ یہی اصول کام کرتا ہوا ملتا ہے۔ کہ علت و معلول کا باہمی تعلق صحیح ہو۔

ریاضی کے ہر قسم کے سوالات کو حل کرنے کے لئے یہ نہائت ضروری ہے کہ جمع۔ ضرب۔ تفریق اور اُن کے حاصل کے درمیان پورا اور صحیح فرق ہو۔ یہی حالت اس علم کے تمام اہم قواعد و اصولات کی ہے۔

طبعیات

اگر سائنس اور فلسفہ صحیح ہیں۔ تو اس دنیا میں کہ جس میں ہم رہتے ہیں۔ کوئی جگہہ اور کوئی چیز ایسی نہیں۔ جس میں دائمی حرکت نہ پائی جاتی ہو۔ جس طرح سنگِ خارا کے پہاڑ میں ازلی حرکت موجود ہے۔ ایسے ہی انسانی جسم کے

پر گر پڑے۔ تو اُس وقت بھی دیوار برابر کی قوت کے ساتھ اُسکا جواب دیگی۔ تو اینِ قدرت ایسے مکمل ہیں۔ کہ تم جیسا[1] کروگے ویسا بھروگے۔

ہربرٹ سپنسر کا قول ہے۔ کہ اِس مسلمہ مسئلہ کی عدم موجودگی میں کہ عمل اور عمل معکوس باہم برابر طاقتیں ہیں۔ علم ہیئت کے ذریعہ سے کبھی باوثوق پیشین گوئیاں نہیں کی جاسکتیں"

جس طرح علم ہیئت کے وسیلہ سے نہایت دور دراز حقیقتوں میں اور نہایت ہولناک مظاہر قدرت میں جہانتک کہ انسانی خیال بلند پروازی کرسکتا ہے۔ عمل اور عمل معکوس کے درمیانی وسائط دریافت ہوتے ہیں۔ اسی طرح کمیسٹری۔ کائینات کے نفیس تر ین اجزا کے کہ جو انسان کے حیطہ علم میں آچکے ہیں باہمی صحیح ترتیب تناسب کا پتہ لگاتی ہے۔ اس کی ایک مثال یوں بیان کی جاسکتی ہے۔ کہ کمیسٹ (کیمیاساز) کیمیاوی عمل کو ہمیشہ ایک مساوات سے لکھتے ہیں۔ یعنی کیمیاوی نسخہ کو ترتیب دیتے ہوئے ہمیشہ دو مختلف چیزوں کو اِس تناسب سے جمع کرتے ہیں کہ مطلوبہ نتیجہ ان کا حاصل ہوتا ہے۔

فعل معکوس فعل اصلی کا۔ اثر سبب کا۔ اور حاصل مطلب واقعات ماقبل کا نتیجہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عمل معکوس۔ اثر۔ حاصل مطلب۔ یہ تمام الفاظ ایک ہی اصول کی مختلف صورتیں ہیں۔ جسکو عام طور سے .... Law of Causality (قانون علت و معلول) کہا جاتا ہے

[1] ما تجزون الا ما کنتم تعملون جیسے جیسے عمل کرتے رہے ہو ان ہی کا بدلہ پاؤگے۔ المترجم

ہیں باقاعدگی اور پابندی پائی جاتی ہے۔ اُن کی پیشین گویاں اِن حرکات کی نسبت قابل اعتبار ہیں۔ اور کہ قدرت اپنے جلیل القدر مظاہر[1] میں ترتیب وتناسب کی تابع ہے۔ اس ترتیب وباقاعدگی کی کلید کیا ہے؟ نیوٹن اپنے تیسرے اصولِ حرکت میں عالمگیر حرکت کی نسبت جسکو علم طبیعات کا ایک نہایت اہم اصول مانا گیا ہے۔ کہتا ہے۔

"ہر عمل کے لئے ایک عمل معکوس ہے"[2]۔

سر۔ کے۔ ڈگبے کہتے ہیں۔ "اگر آگ اپنے سوز سے پانی کو گرم کرتی ہے۔ تو پانی بھی آگ کے جوش کو ٹھنڈا کر دیتا ہے"۔

جب سپاہی اپنے تھیلے کو اٹھاتا ہے۔ تو تھیلے کے ہموزن اسے اپنی قوت صرف کرنی پڑتی ہے۔ اگر دستانہ پہنے ہوئے ہاتھ سے ایک مُکا سنگین دیوار پر ماریں۔ تو دیوار بھی اس کا جواب دستانہ پہنکر دے گی۔ گویا جس مقام پر تم نے مُکا مارا ہے۔ اس جگہ دیوار تمہارے ہاتھ کی طرح دستانہ پہن کر تمہارے مُکے کا جواب دیگی لیکن اگر تم ننگا ہاتھ زور سے دیوار پر مارتے ہو۔ تو تمہیں تجربہ ہو جائیگا۔ کہ قدرت نے بے جان اشیا کو بھی مزاحمت۔ بچاؤ۔ بلکہ اظہار ناراضگی کی طاقت عطا کی ہے۔ اگر ایک شخص کسی حادثہ سے اتفاقاً سنگین دیوار

---

[1] وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا۔ اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر ہر ایک چیز کے لئے (ایک مناسب) اندازہ ٹھہرا دیا۔ المترجم

[2] یہ ایک سائنس کا مشہور مسئلہ ہے۔ اور یہی معنے ہیں۔ اس آیت پاک کے:۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اللہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ یا وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ۔ مگر وہ (اللہ) بقدر مناسب (ہر ایک کی) جتنی (روزی) چاہتا ہے۔ اُتارتا ہے۔ المترجم

بلکہ جو اپنے تعلقات کی وجہ سے خود ان اصولوں پر مشتمل نہ ہو۔

مروجہ علوم سائنس نے اس امر کو تسلیم کیا ہے۔ کہ کیپلر کے تین قواعد متعلقہ گردشِ سیارگان۔ بالکل نیوٹن کے اصولِ حرکت کے مشابہ ہیں۔ یعنی گردشِ سیارگان بعینہ انہی قوانین پر مبنی ہے۔ جن پر تمام کائنات کی حرکت کا دارومدار ہے۔ اس میں بھی کسی کو کلام نہیں ہے۔ کہ نیوٹن کے ہرسہ قواعد حرکت۔ صرف ایک اہم اصول کے ماتحت ہیں۔ اسکا پہلا اصول یہ ہے۔ کہ ایک جسم کی "حرکت" میں کچھ سرعت یا تبدیلی نہیں پیدا ہو سکتی جب تک کہ "قوت" اُسے ایسا کرنے پر مجبور نہ کرے۔ جسکا یہ مطلب ہے۔ کہ "حرکت" میں تبدیلی صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس کا کوئی "سبب" موجود ہو۔ اسکا دوسرا اصول یہ ہے۔ کہ "حرکت کی رفتار کا تغیر" اُس قوت کے مطابق ہوتا ہے۔ جو اس قسم کا تبدل پیدا کرنے کے لئے صرف کیجائے۔ اور یہ تغیر ٹھیک اُس سمت کو واقع ہو گا۔ جس طرف کہ "قوت" نے اپنا عمل کیا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ کسی "قوت" کے عمل میں لانے کا نتیجہ عین اپنی علت کے مطابق ہو گا۔ اُس کا تیسرا اصولِ حرکت یہ ہے۔ کہ "ہر فعل یا حرکت کے لئے ایک حرکتِ معکوس ہوتی ہے"۔ اس اصول کا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ ہر ایک فعل کا نتیجہ۔ اپنے سبب یا علت کے مطابق ہوتا ہے نیوٹن کے ہرسہ قواعدِ حرکت میں سے ہر ایک اسکی اپنی ہی اصطلاح میں اس اصول کے تابع ہے۔ کہ نتائج ہمیشہ اسباب کے مطابق ہوتے ہیں۔

لیکن میرے خیال میں اس اصول کو Law of Lalauce

(قانون موازنہ) کہا جاتا تو زیادہ واضح ہوتا - کیونکہ اس اصول کا اصل مطلب یہی ہے - کہ سبب اور نتیجہ - علت اور معلول باہم مساوی اور ایک دوسرے کا بدل ہوتے ہیں - یا یوں کہیئے - کہ سبب اور نتیجہ ایک ترازو کے دو پلڑے ہیں - جو لازمی طور سے ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں - اور کہ نتائج - اسباب کے عین مطابق اور تابع ہوتے ہیں -

اب ہم پھر وہی الفاظ یاد دلاتے ہیں - کہ ہر جگہہ اور ہر مقام میں عالمگیر حرکت موجود ہے - فی الحقیقت یہ ازلی حرکت جو کل کائنات عالم میں جلوہ گر ہے - اسباب اور نتائج کے باہم مساوی - ایک دوسرے کا عوض یا بدل ہونے سے باقاعدہ و باترتیب ہوتی ہے - تمام کائنات عالم پر ایک نظر غائر ڈالنے سے تم پر بخوبی روشن ہو جائیگا - کہ حرکت معکوس ہمیشہ اصلی حرکت کے مطابق نتیجہ ہمیشہ سبب کے مطابق - اور معلول ہمیشہ علت کے مطابق ہوتا ہے - اور یہ حالت تطبیق و توافق نظام عالم کی باقاعدگی تناسب اور ترتیب کو اچھی طرح ظاہر کرتی ہے -

راستی کی ہم آہنگی

معمولی سے معمولی سچائی بھی - تمام دوسری سچائیوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہے - نظام عالم کے متعلق کوئی ایک حقیقی یا مسئلہ امر ایسا نہیں ہے جو قدرت کے تمام باقیماندہ مسئلہ اصولوں سے پوری پوری تطبیق نہ رکھتا ہو

ایک یا ایک سے زیادہ اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے۔
دنیا کی تمام چھوٹی بڑی چیزیں مثلاً بیج۔ مچھلی۔ فرد واحد۔ گورنمنٹ نسل۔ تہذیب۔ سب کی سب اُن واقعات ماقبل کا ماحصل ہیں۔ جو اُن کے پیدا ہونے یا ان پر اثر ڈالنے کا باعث ہوئے ہیں۔ سچ پوچھئے۔ تو مسئلہ ارتقا کا دارومدار اسی ایک اصول پر ہے۔ کہ نتائج اسباب کے تابع ہوتے ہیں۔"

دیگر اہم جدید مسائل

سوال یہ ہے۔ کہ مادہ کے غیر فانی ہونے اور قوت کے ہر وقت موجود رہنے کے جدید مسائل (جدید اس لحاظ سے نہیں۔ کہ وہ زمانہ حال کی ایجاد ہیں۔ بلکہ اسلئے کہ انہیں قبولیتِ عامہ اس زمانہ میں حاصل ہوئی) کا تعلق اس اصول سے کیا ہے۔ کہ نتائج اسباب کے مطابق ہوتے ہیں؟
قوت کے غیر فانی ہونے کا اصول یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ کہ "جب قوت کی ایک شکل غائب ہو جاتی ہے۔ تو وہ ٹھیک اسی مقدار میں دوسری شکل میں ظاہر ہو جاتی ہے۔" انہی الفاظ میں ہم مادہ کے غیر فانی ہونے کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ "جب مادہ کی ایک شکل غائب ہو جاتی ہے۔ تو وہ ٹھیک اسی مقدار میں دوسری شکل میں نمودار ہوتا ہے۔" اس سے ظاہر ہے۔ کہ قوت کے ہر حالت میں موجود رہنے اور مادہ کے غیر فانی ہونے کے مسئلے کوئی دو مختلف مسئلے نہیں ہیں۔ دراصل ایک ہی ہیں۔

مسئلہ ارتقا

مسئلہ ارتقا کا تعلق جیساکہ ڈارون صاحب نے ظاہر کیا ہے۔ زیادہ تر "مسئلہ انتخاب طبعی" (نیچرل سلکشن) Natura Selection کے ساتھ ہے جسکی تعریف سنچری ڈکشنری نے حسب ذیل کی ہے:۔

اُس مسئلہ سے یہ مراد ہے۔ کہ جو حیوانات یا نباتات اپنے اردگرد کے حالات کے ساتھ سب سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ وہ زندگی کی جدوجہد میں اُن حیوانات وغیرہ سے گویا سبقت لیجاتے ہیں۔ جن کے تعلقات اسباب خارجی سے نسبتاً کم ہوتے ہیں"

اِن خارجی اسباب کی تشریح مسئلہ ارتقا کے لحاظ سے اسی ڈکشنری میں یوں کی ہے "اُن وسائل و اثرات کا مجموعہ جو ایک جاندار شئے پر باہر سے اثر ڈالتے ہیں" یعنی وہ خارجی اسباب کا ایک مجموعہ ہے۔ جو ذی روح اشیا پر باہر سے اثر ڈالتا ہے۔

ذی روح اشیار دو قسم کے اثرات کا حاصل ہیں۔ ایک مجموعہ اُن خارجی اسباب کا ہے۔ جو اُس پر باہر سے اثر ڈالتے ہیں۔ اور دوسرا مجموعہ فطرت کا ہے۔ جو قدرت نے بطور ورثہ عطا کی ہے۔ بالفاظ دیگر ذی روح اشیا حالات پیشین یا اسباب ماقبل کا کامل نتیجہ ہیں۔ ذی روح اشیار زندگی کی کشمکش میں خواہ کسی لحاظ میں دوسروں سے سبقت لیجائیں۔ اُن کا سبقت لیجانا بہرحال اپنی اسباب کا نتیجہ ہے۔ جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ حیوانات کی ہلاکت و موت بھی

جو ہم کرتے ہیں۔ ٹھیک معاوضہ ہوتا ہے۔ حرارت معاوضہ ہے۔ اُس ایندھن کا۔ جو اسکو پیدا کرتا ہے۔ بجلی معاوضہ ہے۔ اُس قوت کا جو تبدیل صورت کے بعد اس میں آموجود ہوتی ہے۔ پانی کا ایک چھوٹے سے چھوٹا قطرہ معاوضہ یا مجموعہ ہے۔ ہیڈروجن کے دو اور آکسیجن کے ایک جزلاتیجزے کا۔ مادّہ یا قوت کی ایک خاص مقدار ایک جگہ سے غائب ہو کر ٹھیک اُتنے ہی وزن اور مقدار میں دوسری شکل میں آموجود ہوتی ہے۔ وہ چیز جو بظاہر ہماری آنکھوں سے غائب ہو جاتی ہے۔ اور وہ شئے جو غائب شدہ شئے کی جگہ لیتی ہے۔ پہلی شئے کا معاوضہ ہوتی ہے۔ ایندھن گرمی پیدا کرتا ہے۔ اور گرمی ایندھن کا معاوضہ ہے۔ حساب ہر حالت میں برابر ہے۔ قدرت نفع[۱] ونقصان کا حساب نہیں رکھتی۔ اسے اُودھار اور قرض سے بڑی نفرت ہے۔ وہ معاوضہ[۲] عطا کرنے میں کبھی نہیں چوکتی۔

---

۱ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ۔ اگر رائی کے دانے کی قدر بھی کوئی عمل ہو۔ اور پھر وہ کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو۔ تو اسکو (بھی قیامت کے دن) خدا لاحاضر کرے گا۔ کچھ شک نہیں۔ کہ اللہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔

۲ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ اور ہر شخص کو جیسا کہ اُس نے (عمل) کیا ہے۔ پورا پورا بھر دیا جائے گا۔ اور لوگوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں ہوگا۔ (یعنی انہیں اعمال کا پورا پورا معاوضہ عطا کیا جائیگا۔)

المترجم

قوّت اور مادہ غیر فانی ہیں" جس سے یہ مراد ہے۔ کہ مادہ اور قوّت گولاکھ صورت و شکل بدلیں۔ اُن میں در اصل[1] کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی۔ یا یوں کہئے۔ کہ تبدیل ہیئت سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ مادّہ یا قوّت کی پہلی حالت یا صورت کے بالکل برابر ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ نتائج۔ اسباب کے مطابق ہوتے ہیں۔

حرکت کے مسلسل موجود ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ قدرت ہر وقت قلب ہیئت و تبدیل صورت میں مصروف ہے۔ اور اس میں کوئی روک یا خلل واقع نہیں ہوتا۔ علّت اور معلول کا باہمی تعلّق کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور ایسا وقت کبھی نہیں آئیگا۔ جب سبب۔ نتیجہ نہیں پیدا کر سکیگا۔

کیا قدرت مُعاوضہ دیتی ہے؟

کیا یہ صحیح ہے۔ کہ جو نتائج یا واقعات لگاتار حرکت یا تبدیل صورت کے پردہ میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ وہ بطور معاوضہ کے ہوتے ہیں؟ بیشک! ایک ہی قسم کے سبب سے جو ایک ہی قسم کا مساوی نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس کام کا

---

[1] چنانچہ خدا تعالےٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ (مردوں کے جن اجزا کو مٹی دکھاتی اور کم کرتی ہے۔ ہم کو تو معلوم ہی ہیں۔ دپھر جب چاہیں گے اُن کو جمع کر لینگے) اور ہمارے پاس کتاب (لوح) محفوظ بھی موجود ہے۔ (اور اس میں ذرہ ذرہ لکھا ہوا ہے) لیکن مادہ اور قوت کے غیر فانی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ ان کا فنا کرنا خدا کی قدرت سے باہر ہے۔ نہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ المترجم۔

ہوسکتی ہے۔ سائنس اور عقل دونوں کے لحاظ سے قابلِ تنفر ہے۔ ہمارا واشنگٹن کا پٹینٹ آفس ایسی ایجادات کو پٹینٹ کرنے سے انکار کرتا ہے جو ازلی حرکت پیدا کرنے کے لئے کی گئی ہوں۔ کیونکہ سبب کے بغیر نتیجہ۔ اور طاقت بغیر قیمت کے ناممکن ہے۔

اہم اصُول

قوانینِ قدرت کی باہمی موافقت و موانست کے اصول کی بنیاد دریافت کرتے ہوئے ہم نے مشاہدہ کرلیا ہے۔ کہ نتائج۔ علل کے مطابق ہوتے ہیں اور یہی امر تمام منطق واستدلال کا اصل اصول ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے۔ کہ یہی اصول۔ اخلاق۔ ریاضیات۔ طبیعات۔ اور نیز مسئلہ ارتقا کی تہ میں کام کررہا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوگیا ہے۔ کہ انسان کے روزمرہ کے معمولی کاروبار سے لیکر علم کے اعلےٰ درجوں تک۔ صداقت وراستی کا معیار یہی اصول ہے۔

ہم پر روشن ہوگیا ہے۔ کہ مادہ اور قوت کے غیر فانی ہونے کے مسئلہ کا مبدا بھی یہی اصول ہے۔ کہ نتائج علل کے مطابق ہوتے ہیں جسکا یہ مطلب ہے۔ کہ نتائج ہمیشہ اسباب کا معاوضہ یا قیمت ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا ہے۔ کہ حرکت کے دائمی ہونے کا مسئلہ بھی اسی اصول کی ایک صورت ہے۔ کیونکہ علت اور نتیجہ کا باہمی غیر متبدل تعلق کبھی نہیں ٹوٹتا۔

یہ خیال کہ کوئی چیز بغیر ٹھیک سبب یا معاوضہ کے طبعی دنیا میں پیدا

ؔ۳ یہاں معجزہ پر اعتراض کا احتمال ہوسکتا ہے - کیونکہ اکثر لوگ معجزہ کو خرق عادت
تصور کرتے ہیں - حقیقت یہ ہے - کہ یہ لوگ معجزہ کی اصلیت اور ماہیت سے
ناواقف ہیں - ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے ماننے کو تیار نہیں ہیں - کہ دنیا میں
کوئی چیز خلاف قانونِ قدرت وقوع پذیر ہوسکتی ہے - کیونکہ ہمیں کلام پاک میں
جابجا بتلایا گیا ہے - کہ قوانینِ قدرت کبھی تبدیل نہیں ہوسکتے - خداوند کریم کارخانہ
عالم کو نہایت مناسب ترتیب اور غیر مبدّل روش پر چلا رہا ہے - لیکن دیکھنا یہ
ہے - کہ کیا اس نہایت مناسب ترتیب - اس غیر مبدّل روش اور دیگر اصول و
قوانینِ قدرت پر ہم پورے طور سے حاوی ہو چکے ہیں - کیا مشرق و مغرب کے فلاسفر
اور ماہران قدرت یہ لاف مارنے کے قابل ہوگئے ہیں - کہ انہوں نے قدرت
کے تمام اسراروں - قانونوں - اور اصولوں کا کامل علم حاصل کر لیا ہے - یقیناً
نہیں - کیونکہ سائینس اور فلسفہ کی تحقیقات کا دائرہ نت نئے مرکز پر قائم ہوتا
ہے - اور نت نئی تھیوریاں سننے میں آتی ہیں - مثلاً اگر کل ایٹم (Atom)
کو مادہ کی اصلیت ثابت کیا جاتا تھا - تو آج الکٹران (Electron)
کو اس کی جگہ دی جاتی ہے - اگر کل یہ اصول مانا جاتا تھا - کہ روشنی اجسام کثیفہ سے
پار نہیں ہوسکتی - تو آج ایکس شعاعیں (X rays) اس اصول
کے ماننے والوں کی تاریکئ دماغ کو ثابت کر رہی ہیں - اس سے ظاہر ہے - کہ علوم و فلسفہ
کی رفتار ترقی کے ساتھ مسلّمہ مسائل تک تبدیل ہوتے چلے جا رہے ہیں - اور قدرت
کے وہ حیرت انگیز کرشمے جنہیں ہم اپنی کوتاہ اندیشی سے خلاف قانونِ قدرت کہنے
پر مجبور تھے - سلسلۂ علت و معلول پر مبنی نظر آنے لگے ہیں - لہذا یہ کہدینا کہ جو معجزات
اکثر انبیاء عظام اور اولیاء کرام سے سرزد ہوئے - وہ خرق عادت اور خلاف قانون
قدرت ہیں - محض غلط ہے - ان معجزات کے ضرور اسباب ہیں - البتہ وہ اسباب
ہمارے فہم سے بالاتر یعنی ان اسباب کے علاوہ ہیں - جنکو انسان اپنے احاطہ علوم میں
لاچکا ہے - چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں :-

هست بر اسباب - اسباب دگر　　در سبب منگر بدان افگن نظر
آن سببها انبیا را رہبر است　　آن سببها زین سببها برتر است
این سبب را محرم آمد عقلها -
وان سببها راست محرم انبیاء

(المترجم -)

سے ناواقف ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ ایسا ہونا بالکل ممکن ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی قومیں دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ خیال کہ چند لامذہب اور ادنےٰ اقوام ازمنہ قدیم میں موجود تھیں۔ گو قیاساً ممکن اور شائد واقع میں صحیح ہو۔ لیکن فی الحال ہمیں اس بارہ میں وہ کافی ثبوت نہیں ملتا۔ جو اس قسم کے عجیب واقعات پر یقین کرنے کے لئے ہم طلب کرنے کے مستحق ہیں۔" پرمیٹیو کلچر۔ ۱/۴۱۔

تمام مذاہب عالم میں جو اعتقادات قدر مشترک ہیں۔ اُن کی نسبت ٹائلر کہتا ہے۔

"کوئی ایک مذہب ایسا نہیں ہے۔ جو باقیماندہ مذاہب سے بلحاظ اپنے اعتقادات کے بالکل مختلف ہو۔ موجودہ عیسائیت کے خیالات اصولاً اُن ذہنی و عقلی نشانات سے وابستہ ہیں۔ جو زمانہ عیسائیت سے بہت پہلے انسانی تہذیب و شائستگی کی بنیاد تک بلکہ شائد انسانی ہستی کے آغاز تک چلے جاتے ہیں۔" پرمیٹیو کلچر ۱/۲۴۔

ہربرٹ سپنسر کہتا ہے:-

مذہب کی نسبت ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنی بہت سی غلطیوں اور خرابیوں کے باوجود اُس نے ایک برتر سچائی کو پھیلایا اور ظاہر کیا ہے۔ ابتداء عالم سے ہی اس اعلےٰ سچائی کو پہچاننا گو نامکمل و ناقص طور پر سہی۔ مذہب کا ایک ضروری مقصد رہا ہے اور مذہب نے اپنے مختلف نقائص کی وجہ سے جو ایک وقت میں بیشمار تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ کم ہوتے رہے ہیں

اِن مشاہدات کا نتیجہ اب صاف نظر آرہا ہے۔ کہ سلسلۂ نظام عالم
ایک قانون کے ماتحت چل رہا ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ نتائج علل کے
مطابق دائمی اور معاوضہ بخش ہوتے ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ یہ قدرت
کا نہایت اہم اعلےٰ۔ واحد اصول ہے۔ جو تمام دیگر قوانین قدرت۔ تمام
مظاہر کا مرجع و مرکز ہے۔

مذہب کی بنیاد

خیال مذہب کے قدیم اور عالمگیر ہونے کی نسبت کوئی شخص ایڈورڈ۔
بی۔ ٹیلر صاحب کا سا مستند محقق نہیں ہے۔ جو شاید زمانہ قدیم کے
عام اعتقادات کا سب سے بڑا تحقیق کنندہ ہے۔ اس خیال کی چھان بین
کرتے ہوئے کہ دنیا میں ایسی ادنےٰ اقوام بھی موجود ہونگی۔ جو مذہب سے
خالی ہوں محقق موصوف لکھتا ہے ؎۔

اگرچہ قیاسی طاق مجسمہ کے لئے بالکل تیار ہے۔ لیکن وہ مجسمۂ عجائب
یہ امر کبھی قدر ان اقوام کی حالت سے ملتا جلتا ہے۔ جن کی نسبت
کہا جاتا ہے۔ کہ ان کی کوئی زبان ہی نہیں ہے۔ یا جو آگ کے استعمال

قیاس ہے۔ کہ ایک فرقہ یا گروہ جو مذہب کا پابند ہونے کا مدعی ہے۔ درحقیقت اس کے اصول بے دینی پر مبنی ہوں۔

خاص مذاہب یا خاص فرقوں سے قطع نظر کر کے ہمیں مذہب کے معانی ان عام اصولوں میں تلاش کرنے چاہئیں جن کے آگے مختلف ازمنہ میں ساکنانِ عالم کی عظیم الشان تعداد نے گردنیں ڈال دی ہوں یا ان معانی کو خیالِ مذہب کے مستقل مظاہر اور ان اعتقادات میں ڈھونڈنا چاہیئے۔ جو کرۂ ارض کے نہایت قدیمی باشندوں میں خود بخود[1] بغیر کسی تعلیم و ہدایت کے پیدا ہوئے۔ اور اب تک زمانہ حال کے مہذب و شائستہ گروہوں میں زیادہ پختہ و مکمل صورت میں چلے آتے ہیں۔ اور سب کے بعد ہمیں ان کو موجودہ عظیم القدر مذاہبِ عالم کے متفقہ و مشترکہ عقائد میں دیکھنا چاہیئے کیونکہ یہ ایک یقینی امر ہے۔ کہ ان موجودہ مذاہب میں قدرتی طور سے صرف وہی مذہبی عقائد موجود ہونگے۔ جو دیگر عقائد ما قبل کے مقابلہ میں موجود رہنے کے زیادہ[2] قابل ثابت ہوئے۔

---

[1] یہ خود بخود پیدا ہونے والا خیالِ مذہب ہی انسان کی فطرت ہے۔ بقول مولانا شبلی یہ قوت (مذہب) انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے۔ عالم و جاہل۔ رذیل و شریف۔ شاہ و گدا۔ افریقہ کا وحشی۔ یورپ کا تعلیم یافتہ سب اسمیں برابر کے حصہ دار ہیں۔ اور یہی معنے ہیں قرآن کی اس آیت کے:۔ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۔ اپنا مونھ سب طرف سے موڑ کر دین کی طرف کر۔ یہ وہ خدا کی فطرت ہے۔ جس پر خدا نے انسان کو مخلوق کیا ہے۔ خدا کی خلقت میں تغیر نہیں ہوتا۔ یہی ٹھیک دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں المترجم

[2] اسلام کا یہی دعوےٰ ہے۔ اور اس مقدس مذہب کے بیشمار دلایل صداقت میں ایک دلیل یہ بھی ہے۔ المترجم۔

اِس عظیم الشان سچائی کا مکمل و صحیح اندازہ کرنے میں سپینسر نے ٹھوکریں اُٹھائی ہیں۔ یہانتک کہ مذہب اسکے ایک حصّہ کو بھی مشکل سے پہچان سکا۔ مذہب کا حقیقی مذہبی عنصر ہمیشہ نیکی پر مبنی رہا ہے۔ اور اُسکا غیر مذہبی عنصر وہ ہے جو عقائد کے لحاظ سے ناپائدار اور افعال و اعمال کے لحاظ سے پُر عیب ثابت ہوا ہے۔ اور اس عنصر سے مذہب ہمیشہ پاک ہونے کی کوشش کرتا رہا ہے"۔

مذہب نے معمائے نظام عالم کو حل کرنے میں کیا کامیابی حاصل کی ہے؟ وہ بیج کہاں ہے جس سے یہ عالمگیر و ترقی پذیر درخت پھلا پھولا اور بڑھا وہ "برتر سچائی" جس کی طرف سپنسر نے اشارہ کیا ہے۔ اور مذاہب کی وہ "ہم آہنگی" جو ٹیلر نے بیان کی ہے۔ کہاں پائی جاسکتی ہے؟

ان سوالوں کا جواب دینے کے لئے ہمیں پہلے یہ سوچنا چاہیئے۔ کہ کیا مذہب سے کوئی خاص مذہب مراد ہے۔؟ نہیں۔ بلکہ مذہب سے وہ مذہب مراد ہے۔ جسکا اطلاق اُس لفظ مذہب پر ہے جو تمام عالم میں مشترک ہے۔ یعنی وہ فطرت جو بنی نوع انسان کو قدرت نے مشترکہ طور پر دی ہے۔

یہ تو ممکن نہیں۔ کہ تمام عالم کا خیال مذہب کی نسبت یکساں ہو۔ کیونکہ اسلاف نے اس مضمون پر دفتر کے دفتر سیاہ کئے ہیں۔ کسی نے مذہب سے نفرت ظاہر کی۔ کسی نے اسکو صداقت و راستی پر مبنی قرار دیا۔ کسی نے خیال مذہب کی نسبت اچھی رائے لگائی۔ کسی نے بُری۔ ہماری یہ توقع بھی پوری نہیں ہوسکتی۔ کہ ہم چھوٹے بڑے۔ عارضی و مستقل طاقتور و حقیر تمام مذاہب عالم کے درمیان کوئی اہم تعلق و ہم آہنگی پاسکیں۔ یہ بالکل قرین

جاڑا مرجھا دیتا ہے۔ برق ہلاک کرتی ہے

شیر خوار بچہ جو پہلا سبق سیکھتا ہے۔ وہ محسوسات کا ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ماں۔ غذا۔ حفاظت اور شفقت کا منبع ہے۔ کچھ عرصہ بعد اُسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوشش کرنے سے وہ چل پھر سکتا ہے کہ بعض اشیاء ضرر رساں ہیں۔ اور بعض فائدہ مند۔ بعض تلخ ہیں۔ اور بعض شیریں۔ یہ گرم ہیں۔ اور وہ سرد۔ بعض ہلکی ہیں۔ اور بعض وزنی۔ پھر وہ یہ دریافت کرتا ہے۔ کہ بعض افعال کا نتیجہ اچھا ہے۔ اور ان کے اعادہ میں کوئی ہرج نہیں۔ اور یہ کام نقصان رساں ہیں۔ اسلئے ان سے پرہیز لازم ہے فائدہ مند امور کو وہ اچھا سمجھتا ہے۔ اور ضرر رساں کام کو بُرا۔ پہلا لفظ زبان سے نکالنے سے پہلے وہ یقین کرلیتا ہے۔ کہ فلاں اسباب سے فلاں نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی نتائج ہمیشہ اسباب کے مطابق ہوتے ہیں۔

مجھے یقین ہے۔ کہ سزا و جزا کا خیال سب سے پہلا مذہبی خیال تھا۔ جو انسان کے دل میں پیدا ہوا۔ درحقیقت اس خیال کی بنا سلسلۂ علل و نتائج پر رکھی گئی۔ اور اب تک اسی پر قائم ہے۔ اور یہ ایک ایسا واجب اصول ہے جو ادنے و اعلےٰ۔ کند ذہن و روشن دماغ سب پر روز روشن کی طرح ظاہر ہے قدیم ساکنان عالم نے سب سے پہلے یہی سمجھا۔ کہ فلاں افعال کا پھل اچھا ہے اور فلاں افعال کا بُرا۔ اور اسی یقین کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انہوں نے علت و معلول میں ایک خاص تعلق دریافت کرلیا۔

سزا و جزا یعنی علت و معلول کا خیال انسان کی فطرت میں داخل ہے

معاد اور روح کی سزا و جزا

حکیم سقراط کہتا ہے۔ "مجھے امید واثق ہے۔ کہ مرنے کے بعد کوئی نہ کوئی حالت ضرور انسان پر گذرتی ہے۔ اور یہ حالت بدوں کی نسبت نیک لوگوں کے واسطے بدرجہا بہتر ہو گی"۔

مرنے کے بعد جزا و سزا کا خیال نہایت قدیم خیال ہے۔ انسان اپنے گناہوں کے جزا و سزا یا موت کے بعد کسی خوفناک "شئے" سے بیحد موثر ہوا ہے۔ اور وہ اس سے بچنے کی ایسی ہی کوشش کرتا رہا ہے۔ جیسی کہ خونخوار جنگلی حیوانات۔ طوفان یا آگ سے بچنے کے لئے۔ اس یقین کامل کی اصل وجہ کیا ہے؟ علم ہمیشہ محسوسات و مشاہدات سے پیدا ہوتا اور جاری رہتا ہے۔ دنیا کے قدیمی باشندوں کا علم بھی مشاہدات سے پیدا ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا۔ کہ پانی پیاس بجھاتا ہے۔ شکار فلاں فلاں حالتوں میں ملتا ہے۔ غار پناہ دیتا ہے۔ دو چیزوں کی باہمی رگڑ سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ آفتاب روشنی و حدت کا سرچشمہ ہے۔ بعض پودے زہریلے ہیں سخت

۱؎ قرآن پاک میں ہے۔ وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ۔ اور آخرت سے تو یہ لوگ بالکل ہی بے خبر ہیں۔ حالانکہ اِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ دار آخرت (کی زندگی) ہی (اصل) زندگی ہے۔ اور وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ۔ کچھ شک نہیں۔ کہ جو لوگ پرہیزگار رہیں۔ ان کے لئے آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے۔ المترجم۔ ۲؎ چنانچہ عالم الغیب نے کلام پاک میں صاف صاف فرما دیا ہے "وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ۔ اور تم لوگوں کے (سننے کے لئے) کان (دیکھنے کے لئے) آنکھیں اور (سمجھنے کے لئے) دل بنائے۔ المترجم۔

مابعد کے مذاہب نے اسکو مکمل طور پر تسلیم کیا۔ دنیا میں اس وقت کوئی ایسا مذہب نہیں ہے۔ جو اپنے پیروں کو کسی نہ کسی بالاتر قوت یا قوتوں کی پوری اطاعت و ذمہ واری کی تاکید و تلقین نہ کرتا ہو۔

یہ عقیدہ کہ روح انسانی کے افعال و اعمال کو میزان عدل میں تولا جائیگا۔ مذہب کا سنگ بنیاد ہے۔ اور اسکا اثر نہ صرف اسی زندگی میں محسوس ہوتا ہے۔ بلکہ آنے والی زندگی میں بھی برابر جاری رہتا ہے۔ یہی عقیدہ پرستش و رضا جوئی کا باعث اور تمام مذہبی مسائل سزا و جزا۔ جائے بازگشت یعنی آخرت۔ نجات و دائمی عذاب اور جنت و دوزخ وغیرہ کی بنا ہے۔

فنائے جسم کے بعد بقائے روح کا اعتقاد

ٹیلر اپنی کتاب پرمیٹو کلچر کے صفحہ ۴۲۴ میں لکھتا ہے:۔

مذہب کی ادنےٰ تعریف روحانی ہستیوں کا اعتقاد ہے۔ جو اُن تمام ادنےٰ اقوام میں پایا جاتا ہے۔ جن سے ہم نے گہرے تعلقات پیدا کئے ہیں۔

اگر روحانی ہستیوں کے اس اعتقاد کو کامل درجہ تک پہنچایا جائے۔ اور اس کے معانی کو زیادہ وسعت دیجائے۔ تو بقول ٹیلر اس کی تشریح یہ ہوگی۔

"روحانیات کو ماننا اور حیات بعد الممات کا اعتقاد"

یہی اعتقاد ٹیلر کے قول کے مطابق فلسفہ مذہب کا سنگ بنیاد ہے۔ جس پر وحشی سے لیکر ترقی یافتہ انسان تک سب یقین رکھتے ہیں۔ اور جس کو ایک قدیم و عالمگیر فلاسفی قرار دیا گیا ہے۔"

جب پہلے پہل اُسنے یہ جانا - کہ اُس کے تعلقات بیرونی دنیا اور سلسلہ قدرت سے کیا ہیں - اور جب اِن تعلقات کی بنا پر اُس نے ہستی برتر کا اعتراف کیا تو اس کے ساتھ ہی یہ فطریؔ احساس بھی پیدا ہو گیا - قدرت نے اپنے تعلقاتِ انسانی کو دو نہائیت ضروری احکام کا پابند بنایا - اور زبانِ حال سے قدیم انسان کو پکار کر کہا -

"اِین کن" و "آن مکن"

بالاتر قوتوں کی موجودگی ہیں کہ جن میں سے بعض خوفناک و دہشت انگیز اور بعض مہربان و فیاض ہیں - انسان کے مادہ تابعداری نے اُسے اس بات کے یقین کرنے پر مجبور کیا - کہ اسپر ایک ایسی زبردست صاحب اختیار طاقت حکمران ہے - جو گناہوں کی سزا اور نیکیوں کا اجر دیتی اور ہمارے نیک و بد افعال کا ثمرہ بخشتی ہے - جوں جوں اُس کے فہم و ادراک میں ترقی ہوتی گئی اسکی ذمہ واری کا دائرہ زیادہ وسیع ہوتا گیا - حتےٰ کہ اس محدود زندگی کے حدود سے گذر کر حیات بعد ممات کی طرف اسکا خیال رجوع ہونے لگا - اور اُسنے سمجھ لیا - کہ وہ آئندہ زندگی "نیک لوگوں کے واسطے بہ نسبت بُرے لوگوں کے بہتر ہوگی"

برنٹن کی اس تصوری کو کہ انسان کے افعال محض فوری فائدہ کی غرض سے نہیں ہوتے - بلکہ جو فرائض کہ اسکے ذمہ لگائے گئے ہیں - اُن کی غرض و غائت بہت اعلےٰ وارفع ہے - اور کوئی اعلےٰ تر طاقت اُن کے مقرر کرنے والی ہے - قدیم ادنےٰ اقوام نے بہت ادنےٰ حالت میں سمجھا - لیکن زمانہ

کوئی قوم نہیں ہوگی۔ جو خلیت ارواح کو نہ مانتی ہو۔"

بقول ہربرٹ سپنسر طبعی موت کے بعد بقائے روح کا خیال مع اپنے لاانتہا پیچیدہ قیاسات کے حواس سے پیدا ہوتے ہیں۔ قطب شمالی و جنوبی اور خط سرطان و جدی کے تمام حصوں میں۔ شمالی امریکہ کے بیابانوں۔ عرب کے صحراؤں۔ کوہستان ہمالیہ کی وادیوں۔ افریقہ کے لق ودق جنگلوں۔ کوہ اینڈیز کے دامنوں۔ اور جزائر پالی نیشیا میں ہر جگہ برابر پایا جاتا ہے۔ یہ خیال اُن اقوام میں بھی جو شکل و شباہت وغیرہ میں ایک دوسری سے کوسوں دور ہیں اسقدر یکساں صفائی کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ کہ ماہران فن یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ کہ یہ (اقوام) بحر و بر کی موجودہ تقسیم سے بہت پہلے چاردانگ عالم میں پھیل گئی تھیں۔ سچ یہ ہے۔ کہ یہ عقیدہ سیدھے۔ گھنگھریالے اور اون سے بالوں والے لوگوں۔ اور سفید۔ گندمی۔ زرد۔ سیاہ ہر نوع کے انسانوں میں برابر موجود ہے۔ غرض ہم اس اعتقاد کو بالکل غیر مہذب۔ نیم مہذب اور مہذب تمام قوموں میں یکساں پاتے ہیں۔" سوشیالوجی۔ ۱۸۹۔

کسی ضروری مذہب کی تعلیم جسکی نسبت ہم پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ بقائے روح کے اعتقاد سے خالی نہیں۔ بجز قدیم عبرانیوں کے۔ جنکا یہ عقیدہ تھا۔ کہ مرنے کے بعد روح ایک ایسی مہمل۔ زمینی حالت میں چلی جاتی ہے۔ جس کو ہم "زندگی" کے نام سے منسوب نہیں کر سکتے۔ زمانہ حال کے بجز اینو لی قدیم یہودیوں کی مادیت (انکار روح) کی تردید کردی ہے۔ چھ صدی سے زیادہ عرصہ تک یہودیوں کا ایک فرقہ حشر موتے کے مسئلہ پر متیقن رہا۔

گرانٹ ایلن کہتا ہے :-

"ایک معبود یا کئی معبودوں پر محض یقین رکھنے - بلکہ نذر و نیاز اور چڑھاوے
کے ذریعے سے بھوت ارواحوں اور دیوتاؤں کی پرستش و رضاجوئی حاصل کرنے
کی رسم سے بھی زیادہ قدیم اور اہم ایک عنصر ہے - جو مذہب (علاوہ دیگر
عناصر کے) اپنے اندر رکھتا ہے - وہ عنصر موت کے بعد زندگی کا خیال ہے
اس قسم کی زندگی کے حقیقی یقین پر ہی مذہب کی بنیاد قایم ہے" ایوولیوشن
آف دی آئیڈیا آف گاڈ - ۴۲ -

ہڈسن لکھتا ہے :-

"میں تمہیں ایسے بچے اور ادنےٰ مذاہب کا پتہ بتا سکتا ہوں جو کوئی معابد
و قربانگاہیں نہیں رکھتے - جو رسوم و عبادات سے معرّا ہیں - لیکن میں کوئی ایسا
مذہب نہیں بتا سکتا - جو روحانی طاقتوں اور انسان کے باہمی میل جول اور
گفت و گو پر اعتقاد رکھنے کی تلقین نہ کرتا ہو" لیجنڈز آف پریسٹو پیپلز - ۵

ڈی الویلا لکھتا ہے :-

"گذشتہ بیس سال دریافتوں نے جو خصوصاً فرانس و بلجیم کے غاروں
میں کی گئی ہیں - اس امر کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے - کہ نہایت قدیم زمانہ
میں بھی انسان رسوم جنازہ ادا کرتے - آئندہ زندگی" پر یقین رکھتے اور
دیویوں اور شاید بتوں کی پرستش بھی کرتے تھے"

ہکسلے کہتا ہے :-

"ایسی وحشی اقوام موجود ہیں - جو [illegible] سے محض بےخبر ہیں - لیکن ایسی

روشن دماغ فلاسفر۔ صوفی صاف دل۔ ہمہ اوست کا ماننے والا۔ دہریہ۔ موحد۔
خدا پرست۔ ہر مذہب و مشرب کا آدمی اِن طاقتوں کا قائل ہے۔ یہانتک
کہ منکرینِ خدا کو بھی اِن طاقتوں سے انکار نہیں ہے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں
کہ کوئی اعلےٰ زبردست طاقت موجود ہے۔ جسکو ہم جان نہیں سکتے۔
کہا جاتا ہے۔ کہ بودھ ازم ایک بے خدا مذہب ہے۔ اور اس بنا پر یہ دعوےٰ
کیا جاتا ہے۔ کہ مذہب کے لئے خدا کا یقین لازمی نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے۔
کہ بودھ مذہب کسی اعلےٰ و برتر ہستی (خدا) کا قائل نہ ہو۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے
کہ وہ کسی اعلےٰ منصف طاقت کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ بودھ مذہب سے زیادہ کوئی
مذہب جزا و سزا کے ابدی[1] اثرات کو تسلیم نہیں کرتا۔ جیسا کہ کرما میں ظاہر کیا گیا ہے۔

---

[1] ابدی اثرات سے مراد ہے تناسخ کا سلسلۂ نامتناہی۔ اگر مصنّف کو اس نتیجہ کا علم ہوتا۔ جو جزا و سزا کے اثرات کو انسان پر ظاہر کرنے سے مدنظر تھا۔ تو وہ بودھ ازم کی ناقص تعلیم "کرما" کو کبھی یہ رتبہ نہ دیتا۔ جزا و سزا کی صحیح و مکمل تعلیم کا اثر جو انسان کی طبیعت پر ہونا چاہیئے۔ یہ ہے۔ کہ وہ اپنی زندگی کو نیک و پاک بنائے۔ اُسکا کوئی فعل خلاف فطرت۔ کوئی کام اخلاق کے درجے سے گرا ہوا نہ ہو۔ اُسکی زندگی پاکیزگی۔ راست روی کا نمونہ اور قانون قدرت کے عین مطابق ہو۔ اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے بودھ مذہب اپنے پیروؤں کو بتلاتا ہے۔ کہ اگر تم اپنی موجودہ زندگی کو بُرے افعال سے آلودہ کروگے۔ تو تمہیں اگلے جنم میں کتے۔ مینڈک یا دیگر اسفل حیوانات کی صورت اختیار کرنی ہوگی۔ اور اگر تم نیک کام کروگے۔ تو آئیندہ زندگی میں کوئی اچھا جنم ملے گا۔ لیکن بودھ ازم اور اُسکے ہم نوا دوسرے مذاہب اس بات کا کیا جواب رکھتے ہیں۔ کہ جب دوسرے جنم میں آ کر کبھی کسی کو یہ خبر نہیں ہوتی۔ کہ میں پچھلے جنم میں کیا تھا۔ کون تھا۔ کہاں تھا۔ کس گناہ یا جرم کی پاداش میں عین کتا یا مینڈک وغیرہ بنایا گیا۔ اور جب کسی کو اتنا بھی علم نہیں ہوتا۔ کہ میں ہی وہ ہوں۔ جس کو فلاں فعل کے عوض میں یہ سزا یا جزا مل رہی ہے۔ تو موجودہ جنم میں اس کے دل میں۔ آئندہ جنم کے لئے خوف پیدا ہونے کی کیا وجہ اور ضرورت ہے۔ اور بُرے افعال سے اجتناب یا نیک افعال کی تحریک اُسکے دل میں کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔ جب تک کہ اُسے اپنے کیئے کی۔ اپنی ہی ذات کو پوری پوری سزا و جزا۔ اپنے علم میں ملنے کا خیال یا اندازہ نہ ہو۔ صرف اسیقدر خیال کر لینا کافی نہیں ہے۔ کہ ہماری فلاں مصیبت یا تکلیف کسی

اسی طرح چینیوں نے کنفیوشس کی تعلیم کو غلط قرار دے کر پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب کہ کنفیوشس کا عقیدہ روحانیت سے بالکل مبرا تھا۔ چینی مذاہب سراسر روحانیت سے پُر ہیں۔ کس قدر حیرت انگیز بات ہے۔ کہ نہ تو چینیوں کا واجب التعظیم و تکریم فلاسفر کنفیوشس اور نہ عہد عتیق کے مصنف ہی اپنے پیروں کو "آیندہ زندگی" پر یقین رکھنے سے مستقل طور پر باز رکھ سکے۔

عالمگیر و پایدار مذہب (جو عارضی و منتشر اعتقادات کے مذہب سے جدا ہوا) وہ ہے۔ جو انسان کی حیات بعد الممات پر کوئی حد قایم نہ کرے۔ بعض معلمان اخلاق ایسے ہو گذرے ہیں جنہوں نے دعوےٰ کیا ہے۔ کہ صرف محدودےچند یا متاہل لوگ۔ یا صرف بزرگ و برتر لوگ ہی اس طبعی موت کے بعد زندہ رہیں گے۔ اور بعض نے تو یہاں تک کہدیا ہے۔ کہ حیات بعد الممات کوئی چیز ہی نہیں ہے لیکن ان تعلیمات کا اثر انسان کے دل پر نقش بر آب سے زیادہ نہیں ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام عظیم القدر موجودہ مذاہب عالم قرار دیتے ہیں۔ کہ انسان کا سلسلۂ حیات فنائے جسم کے ساتھ ہی منقطع نہیں ہوتا بلکہ آیندہ بھی برابر جاری رہتا ہے۔

ایک صاحب اختیار اعلیٰ طاقت کا اعتقاد

جہانتک ہمارا صحیح علم ہماری رہبری کرتا ہے۔ انسانی ہستی سے بالاتر طاقتوں اور قوتوں کا اعتقاد تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ اور کوتہ دماغ وحشی

اور رینگنے والے جانوروں میں اسکا ظہور رہا تھا۔ بہرحال وہ خواہ اس برتر قوت کو کسی صورت میں تسلیم کرتا تھا لیکن اسمیں کلام نہیں۔ کہ وہ قوت اسکے لئے ایک مقتدر صاحب اختیار ہستی تھی۔ کہ جسکے آگے اسکی گردن طاعت جھکی تھی۔

انسان کی تہذیب و ترقی کے ساتھ ساتھ اس عظیم الشان طاقت کے متعلق علم بھی وسیع ہوتا گیا۔ پرانے ادنے خیالات رفتہ رفتہ تنزل پذیر ہوتے گئے اور ان کی جگہ نئے اعلے خیالات پیدا ہونے لگے۔ بیجان قدرتی اشیاء کی پرستش (توہم پرستی) کے بعد شیطانوں کی پوجا (بت پرستی) ہونے لگی۔ اسکے بعد بہت سے معبودوں کی عبادت شروع ہوئی جو آخر کار ایک معبود کی عبادت میں تبدیل ہوئی۔

قدیم انسان کے تنگ و محدود عقاید کے مقابلہ میں ترقی یافتہ فرقوں نے اس سب سے بڑے حکمران و منتظم حقیقی کی طرف نہایت اعلے و شاندار صفات منسوب کیں۔ قدیم آریا اپنے بڑے دیوتا ورن میں۔ ہندو اپنے کامل پرمیشور برہما میں۔ عبرانی اور عیسائی اپنے قادر مطلق یہووہ میں۔ اہل ڈنمارک اپنے مطلق باپ اودن میں۔ یونانی اپنے سب سے بڑے دیوتا زیوس میں۔ رومن اپنے خدائے عظیم مشتری میں۔ اور مسلمان اپنے وحدہٗ لاشریک اللہ میں شان الوہیت و معبودیت تسلیم کرتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰ و ۳۵) یہ ہے تعلیم اسلام کی ایک جھلک۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ افعال بد کی یہ روح فرسا سزائیں جو دوزخ (ابدی عذاب) کی صورت میں اور نیک افعال کی یہ روح افزا جزائیں جو بہشت (ابدی نجات) کی صورت میں دکھلائی گئی ہیں۔ زیادہ موثر۔ دلنشین اور سبق آموز ہیں۔ یا اگلے جنم میں موجودہ جنم کے نیک یا بد افعال کے بدلے محض لاعلمی کی حالت میں کتا اور مینڈک بنائے جانے کی دھمکی یا کوئی عمدہ جنم بنائے جانے کی امید زیادہ موثر۔ دلنشین اور سبق آموز ہے۔ اور جزا و سزا کے ابدی اثرات کو بودہ مذہب زیادہ تسلیم کرتا ہے۔ یا اسلام؟ اسکا فیصلہ ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص نہایت آسانی سے اپنے دل میں کر سکتا ہے۔ (المترجم)

قدیم انسان کا خیال کسی صاحب اختیار ہستی کی نسبت بہت دھندلا اور ناکمل تھا۔ کبھی وہ اُسے سنگ ریزہ یا ایک بڑی چٹان میں مقیم پاتا۔ کبھی ٹیکرہ یا پہاڑ میں جلوہ گر دیکھتا۔ کبھی صبح صادق۔ سورج۔ چاند یا ستاروں میں پرتو فگن پاتا۔ اور کبھی ممی یا بُت میں مخفی یا اپنے بزرگوں سے آکہ حیوانوں مچھلیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹) کسی فعل بد کا نتیجہ ہے۔ ضروری ہے۔ کہ مریض کو اسکی بد پرہیزی سے واقف کیا جائے۔ اسکو بتلایا جائے۔ کہ تمہاری یہ بیماری تمہاری فلاں بد پرہیزی کا نتیجہ ہے تمہارا یہ جسمانی نقص فلاں فعل خلاف فطرت کا نتیجہ ہے۔ اور اگر تم اب ایسا کرو گے۔ تو اُسکا خمیازہ یوں بھگتو گے۔ یہ ہے وہ تعلیم جسکو مصنف نے تمام مذاہب کی تعلیمات پر ترجیح دی ہے

آؤ اب دیکھیں۔ کہ اسکی نسبت اسلام اپنے پیروؤں کو کیا تعلیم دیتا ہے۔ دیکھو۔ اسلام کیسے زبردست و دلنشین پیرایہ میں تمہیں تمہاری آیندہ حالت سے متنبہ کرتا ہے۔ ثُمَّ تُرَدُّونَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ پھر تم اس (خدائے دانا و بینا) کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جو پوشیدہ اور ظاہر (سب کچھ) جانتا ہے۔ پھر جیسے جیسے عمل (تم دنیا میں) کرتے رہے ہو۔ وہ (اس وقت) تم کو بتادے گا۔ پھر کیا ہوگا؟ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اور جیسے جیسے عمل کرتے رہے ہو۔ ان ہی کا بدلہ پاؤ گے۔ ان اعمال کا بدلہ کیسے ملیگا۔ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ واقعی، بات تو یہ ہے۔ کہ جس نے پلے باندھی برائی اور اپنے گناہ کے گھیر میں آگیا۔ تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ کہ وہ ہمیشہ (ہمیشہ) دوزخ ہی میں رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے۔ ایسے ہی لوگ جنتی ہیں۔ کہ وہ ہمیشہ (ہمیشہ جنت) ہی میں رہیں گے۔ یہ دوزخ کیا چیز ہے؟ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۙ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ۔ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جو (تلووں سے لگ کر) دلوں تک کی جا خبر لیگی۔ (اور) وہ بڑے بڑے ستونوں (کی شکل) میں دوزخیوں کو چاروں طرف سے گھیرے ہوگی۔ اور یہ جنت کیا چیز ہوگی؟ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۙ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ اور (جو لوگ) پرہیزگار (ہیں۔ وہ بہشت) باغوں اور نہروں میں (سچی عزت کی) جگہ بادشاہ (دو جہان) قادر (مطلق) کے مقرب ہونگے۔ انصاف کے دن کی آمد آمد کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا۔ جس دن آسمان (سمندر کے پانی کی طرح) لہریں مارنے لگے اور پہاڑ اڑے اڑے پھریں

اچھی حالت میں ہونگے یعنی جو جیسا کرتا ہے۔ وہ ویسا بھرتا ہے۔

فنائے جسم کے بعد بقائے روح کا اعتقاد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انسانی روح کی ذمہ واری جزا و سزا فنائے جسم کیساتھ ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ جو بدیاں اور خطا کاریاں ہمسے اس دار فانی میں سرزد ہوتی ہیں۔ انکو آیندہ زندگی میں درست کیا جائیگا۔ اور جن نیکیوں کا اجر یا معاوضہ ہمیں اس دنیا میں نہیں ملا۔ وہ دوسری زندگی میں ملیگا جسکا یہ مطلب ہے۔ کہ یہ عوض و معاوضہ کا سلسلہ اس جسمانی زندگی سے گذر کر روحانی زندگی میں بھی برابر جاری رہتا ہے۔ جس طرح سائنس بتلاتا ہے۔ کہ علت و معلول عمل اور عمل معکوس حرکت و تبدیل ہیئت طبعی دنیا میں ہمیشہ جاری ہیں۔ اسی طرح مذہب سکھلاتا ہے۔ کہ سبب و مسبب۔ افعال و نتائج کا سلسلہ روح انسانی میں ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

روح کی سزا و جزا اور نہ ختم ہونیوالی ذمہ واری کی نسبت مذہب کی تعلیم سائنس کے مسئلہ علت و معلول کے عین مطابق ہے۔ جس طرح سائنس قرار دیتا ہے۔ کہ مادہ اور قوت غیر فانی ہیں۔ اسیطرح مذہب قرار دیتا ہے۔ کہ روح انسانی غیر فانی ہے۔

ایک زبردست طاقت غیبی کا یقین دونوں مذکورہ بالا اعتقادات کا لازمی نتیجہ ہے۔ یہ مسائل کہ انسان کے افعال و اعمال اپنے نتائج کیساتھ میزان عدل میں تولے جائینگے۔ اور کہ یہ سلسلہ فنائے جسم کیساتھ منقطع نہیں ہوتا ہے۔ ایک بالا تر ازلی و ابدی۔ حی و قیوم طاقت کے اعتقاد کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ جو سزا و جزا دیتی اور اعمال کے نتائج کا فیصلہ کرتی ہے۔

اب غور سے دیکھو۔ کہ یہ تین ضروری مذہبی اعتقادات ایکدوسرے کے متعلق کیسے تعلقات رکھتے ہیں کیا پیغام سناتے ہیں؟ وہ ایکدوسرے کے مطابق ہیں یا متناقض۔ کیا یہ پیغام غیر متعلق مختلف۔ کمزور و موہوم یا ایسا ہی ہے۔ کہ مذہب کے بالکل ناقابل ہو۔ یا وہ ہم آہنگ

ہیں فضل ربانی اور قدرت کلی کو ظاہر کرنے والے نہایت موزون و مناسب الفاظ مثلاً پروردگار عالم۔ الٰہی۔ حی و قیوم۔ قادر مطلق۔ حاضر و ناظر۔ منزہ و بے عیب۔ اکبر۔ جل جلالہٗ۔ رب السما و الارض۔ احکم الحاکمین۔ ضیا عالم۔ آفتاب صداقت۔ معمولاً خدا کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں۔ بہر حال خدا سے مراد وہی خدا ہے۔ جو نیک لوگون کو جزا۔ اور بد لوگوں کو سزا دیتا ہے۔ جو ہمارے اعمال و افعال کا معاوضہ دینے والا۔ صاحب اختیار و منصف حقیقی ہے۔

باب سوم (۳)

تطبیق

گذشتہ اوراق سے ظاہر ہے کہ مذہب کے تین نہایت ضروری اعتقادات حسب ذیل ہیں

۱۔ معاد اور روح کی سزا و جزا۔

۲۔ فنائے جسم کے بعد بقائے روح کا اعتقاد۔

۳۔ ایک زبردست طاقت غیبی کا اعتقاد۔

پہلا اعتقاد یہ ہے۔ کہ روح انسانی کو اپنے افعال و اعمال کے لیئے سزا و جزا بھگتنی پڑتی ہے۔ بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں بھی سائنس کا وہی مسئلہ "نتائج علل کے تابع ہوتے ہیں" کام کر رہا ہے۔ فی الحقیقت یہی اہم اصول ہے۔ جو بتلاتا ہے۔ کہ بعد مرگ خدا کے نیک بندے۔ بدوں کی نسبت

قوت ہے۔ قرار دیتا ہے۔ کہ طبعی افعال ختم نہ ہونے والے اور معاوضہ بخش ہیں۔
یہی حالت تمام علوم کی ہے۔ علم ریاضی۔ منطق۔ علم الاخلاق کو لیجیے۔ سائنس
علے الاعلان کہتا ہے۔ کہ سبب و نتیجہ۔ یا علت و معلول کا ایکدوسرے کے موافق و مطابق ہونا لازمی ہے۔

سائنس۔ طبعی افعال کی نسبت حکم لگاتا ہے۔

"انکا سلسلہ کبھی ختم نہ ہونیوالا۔ اور اُن کا معاوضہ لازمی ہے"۔

مذہب۔ روحانی افعال کی نسبت باٰواز بلند کہتا ہے۔ کہ

"اُن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہونیوالا۔ اور اُن کی سزا و جزا لابدی ہے"

یہ دونوں احکام باہم موافق ہیں۔ دونوں ایک ہی اصول کی تفسیریں
ہیں۔ وہ اصول کیا ہے؟ وہ یہ ہے۔ کہ "اسباب کے نتائج ضرور ہوتے ہیں۔
اور ہر نتیجہ ایک واقعہ ماقبل کا معاوضہ ہوتا ہے"۔

یہ دونوں اعتقادات محض بخت و اتفاق سے ہی باہم توافق و تناسب نہیں رکھتے
بلکہ قدرت کی ہم آہنگی تقاضا کرتی ہے۔ کہ وہ ایسے ہوں۔

ہمیں اس اصول کے سمجھنے میں کہ طبعی امور کے نتائج لابدی ہیں۔ کچھ دقت
پیش نہیں آتی۔ تجربہ اور مشاہدہ بتلا رہا ہے۔ کہ ہر امر کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی قانون
کو روحانی سلطنت میں پھیلانے سے ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ یہی قانون ہی
مسئلہ سزا و جزا یا عذاب و ثواب کی بنیاد اور نظم کائنات کی ترتیب و تناسب
کی بنا ہے۔ میں اس امر میں شک کی گنجائش نہیں پاتا۔ کہ یہی وہ قانون ہے
کہ جس کے سمجھنے کے لئے انسان تربیت و تہذیب کی تمام ادنے و اعلے منازل
میں سر ٹپکتا رہا ہے۔ اور جوں جوں اس کے علم و تجربہ میں اضافہ ہوتا گیا۔

باہم موافق۔ سادہ۔ صاف اور الہیات کا نہایت صحیح اندازہ ہے۔ مذکورہ بالا تین اعتقادات
کا پیغام مختصر الفاظ میں یہ ہے:۔ "انسان علی التواتر۔ غیر متبدل۔ معاوضہ بخش تابع کا مستوجب
اور ایک اعلیٰ منصف و برتر ہستی کا ماتحت ہے۔" لفظ مذہب کے یہ معانی کچھ ایک فرقے۔ گروہ
یا کسی خاص وقت یا جگہ سے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ازمنہ قدیم و جدید کے ان تمام فرقوں
اور گروہوں کے مسلمہ معانی ہیں۔ جو مذہبی کہلانے کے مستحق ہیں۔ لفظ مذہب کی یہ تشریح
وہمی یا خیالی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بنی نوع انسان کے تجربات مذہبی کا ماحصل ہے۔ مذہب کی
تاریخ اپنے معنون کو خود نہایت وضاحت سے بیان کر رہی ہے جس طرح پہاڑ کی چٹانیں
اپنی رام کہانی زبان حال سے کہہ رہی ہیں۔ اسی طرح مذہب اپنے نوشتوں کے ذریعہ سے آپ
بیتی کو زبان حال سے کہہ رہا ہے۔ مذہب کا پیغام فضول۔ کمزور۔ نکما نہیں ہے۔ بلکہ صاف
آسانی سے سمجھ میں آنیوالا شاندار و پرعظمت ہے۔ اگر بنی نوع انسان مذہب کو تقدس کا
اور الہیات کی آماجگاہ سمجھتے ہیں۔ تو وہ بالکل راستی پر ہیں۔ کیونکہ مذہبی تاریخ کا یہ پیغام کہ "انسان
علی التواتر۔ غیر متبدل۔ معاوضہ بخش تابع کا مستوجب ہے۔" اسے حق سچا ثابت کرنیکے لئے کافی ہے

ہم نے سلسلۂ قوانین قدرت کی سائنٹفک تشریحات کے باہمی توافق و ہم آہنگی
کو مشاہدہ کر دیا ہے۔ جو فی الحقیقت ایک نہایت اعلیٰ واحد اصول کی تفسیریں اور یہی ہم آہنگی و توافق
ہم تمام اہم مذہبی اعتقادات میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو یقیناً اسی عظیم الشان اصول کی طرف
رجوع کرتے ہیں۔ جو سائنس کو مقصود اور اسکا ممدوح ہے۔

مذہب جو روح انسانی کے تعلقات نظام عالم پر بحث کرتا اور ان کے حسن و قبح سے ہمیں مطلع
کرتا ہے۔ اسکا انحصار تمام تر اسی دائمی انصاف و معدلت کے اعتقاد پر ہے۔ کہ افعال انسانی کے
اثرات ہمیشہ قائم رہنے والے اور عذاب و ثواب کے مستوجب ہیں۔ سائنس جسکی جولانگاہ مادہ اور

اصول کی اِن الفاظ میں تائید کرتا ہے۔ کہ کشش ثقل اور علت و معلول کے جو آئین ہم یہاں مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہی کائناتِ عالم کے نہایت دور افتادہ مقامات میں بھی جلوہ گر ہیں۔ جو قوانین یہاں ہیں۔ وہ وہاں بھی ہیں سائینس کے ماہرانِ کامل قدرت کی ہم آہنگی۔ توافق و ربط کو نہایت دلیری اور جرأت کے ساتھ ثابت کر رہے ہیں[1]۔ اور متبعانِ مذہب۔ سائنس کی اس عظیم الشان جرأت اور اس پاکیزہ و جلیل القدر اعتقاد سے بلند خیالی کا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ اور قدرت کی ہم آہنگی پر استقلال کے ساتھ بے کھٹکے اعتماد کر سکتے ہیں۔ جس طرح سائنس قرار دیتا ہے۔ کہ یہ اصول یہاں وہاں اور ہر جگہ موجود ہے۔ اور کہ فاصلہ۔ وقت یا تبدیل ہیئت اس میں ذرہ بھر تغیر نہیں پیدا کر سکتا۔ اسی طرح اہالیانِ مذہب مان سکتے ہیں۔ کہ قبر کی حدود سے آگے افعال و اعمال کا معاوضہ اس لئے ضروری ہے۔ کہ وہ یہاں بھی برابر ہے۔ اور کہ فاصلہ۔ قوت یا موت (تبدیل ہیئت) اس کو تبدیل نہیں کر سکتے۔

مذہب اور سائنس باہم موافق ہیں۔ متناقض نہیں۔ وہ کسی زمانہ میں

---

[1] یہ بات کم از کم متبعان مذہب اسلام کو تو پہلے ہی سے معلوم ہے۔ حق نے کتاب پاک میں فرمایا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ۔ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا لَاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا إِنْ كُنَّا فَاعِلِينَ۔ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور کل کائنات کو کھیل کے لئے پیدا نہیں کیا۔ اگر ہم کو کھیل بنانا منظور ہوتا۔ تو ہم اپنی تجویز سے (کھیل کی طرح کا کوئی) کھیل بنا سکتے (لیکن) ہم کو ایسا کرنا منظور ہی نہ تھا۔ (یعنی اگر یہ سب کچھ کھیل ہوتا۔ تو کارخانۂ عالم میں یہ توافق۔ تدبر اور حکمت نہ پائی جاتی) المترجم۔

اُسے اس کے سمجھنے میں ترقی پذیر کامیابی حاصل ہوتی رہی۔ وہی قانون جسے سائنس طبعی دنیا کے لئے نہایت اہم قرار دیتا ہے۔ روحانی دنیا میں بھی مکمل ولازوال و بے انتہا انصاف کی بنیاد قایم کرتا ہے۔ مادہ اور قوت پر عاید کرنے سے یہی قانون مادی دنیا کی حیرت انگیز نظم کے عجائبات دکھلاتا ہے۔ نوع انسانی پر عاید کرنے سے یہ ایک نہایت پاکیزہ فلسفہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ جس پر انسانی دل حاوی ہوسکتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے .... کہ یہ بُرائی کے تاریک مسئلہ پر سے پردہ اٹھاتا اور خُدا کے انصاف کی تائید کرتا ہے۔

کیا ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ اصول صرف طبعی دنیا ہی میں کام کر رہا ہے بالفرض اگر ہم ایسا مان بھی لیں۔ تو گویا ہم قدرت کی ہم آہنگی سے انکار کرتے ہیں۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ چونکہ ہم اس طبعی دنیا سے رُخصت ہونیوالے روح کے ہمرکاب ہوکر اُسکی سزا و جزا۔ عذاب و ثواب کا حال دریافت نہیں کرسکتے۔ لہٰذا ہم کو یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ روح انسانی کو اپنے افعال و اعمال کا معاوضہ ملتا ہے؟ سائنس اس امر کی اجازت نہیں دیتا۔ نیوٹن یہ نہیں کہتا۔ کہ مسئلہ کشش ثقل صرف وہیں موجود ہے۔ کہ جہاں ہم اُسے مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ نہیں بلکہ اسکا قول ہے۔ کہ کشش ثقل عالمگیر ہے۔ جدید سائنس بھی بڑے زور سے کہتا ہے۔ کہ کشش ثقل اور قدرت کے تمام دیگر اصول و قوانین عالمگیر ہیں۔ علم ہیئت اس

ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہوئے۔ اگر ان میں کبھی باہمی مخالفت و ناموافقت کا ظہور ہوا بھی ہے۔ تو اس کی وجہ صرف اُن لوگوں کی غلط فہمی تھی۔ جنہوں نے تاریکی سے روشنی میں آنے کی بیحد تگ و دو اور بے انتہا جدّ و جہد میں مختلف ازمنہ میں سائنس و مذہب کے مفہوم و معانی کو غلط سمجھا۔

سائنس کے خیالات قدرت کی نسبت ہمیشہ وسیع ہوتے رہے ہیں۔ سائنس نے ظاہر کر دیا ہے۔ کہ نیچر کی کارروائیاں باہم موافق۔ غیر محدود۔ عالمگیر۔ غیر متبدل۔ ابدی اور غیر فانی ہیں۔ اور یہی وہ اصول ہے کہ جس پر مذہب اور سائنس ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں۔ اس باہمی ربط و ضبط اور توافق کی بنیاد سوء یا نیستی یا شر پر نہیں۔ بلکہ حیات واستقلال اور خیر پر قائم ہے۔ یہ ربط اور یہ تناسب بتلاتا ہے ہیں کہ قوانینِ قدرت ایک غیر متغیّر روش پر چلائے جا رہے ہیں۔ بلاشبہ انسانی افعال کے نتائج ایسے ہی یقینی ہیں۔ جیسے کہ کیمیاوی اعمال کے اور اصولِ معاوضہ جس صفائی سے اپنا کام طبعی دنیا میں کر رہا ہے۔ بعینہٖ ویسی ہی عمدگی اور صحت کے ساتھ روح انسانی کی خدمت انجام دے رہا ہے